"اسپین کا عظیم مفکر، ابن حزم اندلسی"

(۹۹۴ھ/۱۰۶۴ء)

ڈاکٹر احتشام بن حسن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عہد اسلامی کے اسپین میں بے شمار علماء و دانشور، محقق و سائنسدان گذر چکے جن کے نام مشرقی ممالک میں شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ فلسفہ میں ابن طفیل، ابن باجہ اور ابن رشد، تاریخ نگاروں میں ابن بشکوال، الضبی، ابن الخطیب، احمد المقری کی تصانیف مآخذ و مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سائنسی علوم میں تحقیق و اختراعات کرنے والوں میں ابو القاسم الزہراوی، ابن زہر، ابن ہیثم، جابر بن افلاح اور ابن خاتمہ کے نام مشرقی دنیا سے زیادہ مغربی دنیا میں معروف و مقبول ہیں۔ غرضیکہ ہر علم و فن میں چند ممتاز نام ہر دور میں نظر آتے ہیں۔ بعض کو عربی دنیا میں پذیرائی ملی اور بعض غیر عرب دنیا میں اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے لازوال شہرت کے مستحق قرار پائے۔ انھیں دانشوروں اور مفکرین میں دسویں صدی عیسوی کے قرطبہ کے قریب کی بستی "منت لیشم" کے رہنے والے ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بھی تھے۔ جن کو مشرقی دنیا میں ظاہری مسلک کے امام کی حیثیت سے روشناس کرایا گیا۔ اور جن کو عراق کے ایک محدث امام داؤد ظاہری کے خیالات کا پیرو بلکہ مرید گردانا گیا۔

لیکن ان کے عقائد کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی کیونکہ وہ تقلید محض کے قائل نہ تھے اور "نص" پر یقین رکھتے تھے۔ محمد ابو زہرہ نے ان کے مذہبی نظریات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن حزم کو مالکی مذہب .... اور دوسرے مذاہب کی فقہ پڑھنے اور مختلف مذاہب میں وارد شدہ یا مدون شدہ شرعی احکام پر گہری نظر ڈالنے کا موقع ملا تو انھوں نے ان مذاہب میں شدید اختلاف کا سبب قیاس و استحسان کو پایا جو کہ ایک مطیع سواری کی طرح ہیں جن کی بدولت فقہاء نے اپنے احکام کو فتاوی اور قیاسات فاسدہ کے مقتضیات کے مابین موافقت اور مطابقت پیدا کر لی تھی۔ اس زمانہ کے فقہاء کی روش بعض سیاسی حالات کی وجہ سے اس درجہ پست ہو گئی تھی کہ کسی بھی مسئلہ میں اپنی مرضی کے مطابق فتویٰ لیا جا سکتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں اموی امارت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور طوائف الملوکی نے سماج اور سیاست کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ بقول پروفیسر محمد عبداللہ عنان :

> "یہ فقہاء ہر دسترخوان پر کھاتے اور ہر محل کے آستانے پر سرگرداں رہتے۔ زمانہ کے طوائف الملوکی کے مزاج نے ان فقہاء کے لئے ناجائز نفع اندوزی و دسیسہ کاری کا میدان کشادہ کر دیا اور سرکش امراء نے ان کی سرپرستی کی اور ان پر عطیات کی بارش کر دی۔"

ابن حزم کے یہاں اپنے حالات کا ردعمل معلوم ہوتا ہے، پہلے وہ سرکاری مذہب یعنی مالکی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے پھر شافعی فقہ سے متاثر ہوئے لیکن اس میں بھی انھیں سختی نہ نظر آئی جو ان حالات میں درکار تھی، غرضیکہ انھوں نے "ظاہر المذہب" کی طرف رخ کیا لیکن انھوں نے ظاہری مذہب کے امام داؤد سے بہت سے بنیادی

مسائل میں اختلاف کیا۔ اس مذہب کی جو بات ان کو زیادہ پسند تھی کہ یہ مذہب تصوف کے ساتھ لہو ولعب و کھیل تماشہ سے روکتا ہے اور دینی امور میں اجتہاد و محنت و کوشش کو واجب قرار دیتا ہے اور کامیاب ترین طریقہ پر مطلوب شرعی کو ثابت کر دکھاتا ہے۔ شیخ عبداللہ الزائد نے اپنی کتاب "ابن حزم الاصولی" میں لکھا ہے کہ:

> "وہ ظاہر المذہب میں عام مذہب کے متبعین کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ انھوں نے ظاہری مذہب کے امام داؤد سے بہت سے بنیادی مسائل میں اختلاف کیا جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ابن حزم کی ظاہریت مذہبی قسم کی نہیں بلکہ اصولی تھی اور یہ کہ ان کے خصوصی نظریات جن کی بنا پر بہت سے لوگ ان کے فقہی اجتہاد کو حزمی مذہب یا طریقہ سے موسوم کرتے ہیں۔"

درحقیقت وہ ایک جدت پسند غیر معمولی طبیعت کے انسان تھے جو ہر معاملہ میں نت نئے انداز سے غور و فکر کرتے اور نئی راہ نکالنے کی جستجو کرتے۔ ان میں امتداد زمانہ، مصائب و آلام نے سختی اور شدت عمل پیدا کر دی تھی۔ جب فقہی امور پر تبادلہ خیال کرتے تو پہلے چند اصول بیان کرتے اور پھر مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کرتے۔ اس سلسلے میں ان کی چار کتابیں الاحکام فی اصول الاحکام، ابطال القیاس، ملخص الابطال، النبذ اور الوسائل لاھل المذاھب، پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن فقہی مسائل پر ان کی جامع ترین تصنیف "کتاب المحلیٰ" ہے جو ساڑھے سات ہزار صفحات پر تیرہ جلدوں میں مشتمل ہے۔ یہ فقہی مسائل کا ایک انسائیکلو پیڈیا کہی جا سکتی ہے جس میں سلف صالحین کے اجتہادی مسائل، عقائد

اور فروعی احکام سب کچھ موجود ہے۔ نیز اس میں ہر مسئلہ کے حل کو اصولی براہین اور استدلال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں بارہ ہزار نو سو تین مسائل پر اسلاف، علماء کی رائیں اور اقوال درج کیے گئے ہیں۔ صرف صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایسی آرا بھی درج ہیں جن میں کسی فقیہ یا محدث کو اعتراض نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے اس کتاب کے ابواب پر مدلل بحث کرتے ہوئے اس کو مکمل فقہی نظام کا درجہ دیا ہے اور اس کو حزمی مکتبہ فکر کا منبع بتایا ہے۔ شیخ ابوزہرہ، ڈاکٹر محمد اسلام اور ڈاکٹر عبداللہ الزائد نے جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات بھی واضح کی ہے کہ ابن حزم نے اگرچہ ہمارے لئے ظاہریت کے خصائص بیان کر دیے ہیں اور اس کی بابت اپنے طریق کار کے نشانات بھی واضح کر دیے مگر انھوں نے ظاہریت کی کوئی محدود تعریف نہیں کی اور کتاب المحلی یا کسی دوسری تصنیف میں براہ راست ظاہریت کے معنی سے تعرض نہیں کیا ہے۔

پروفیسر عباس محمود عقاد نے اپنی تصنیف التفکیر فریضۃ اسلامیۃ میں ڈاکٹر ممدوح حقی نے مقدمہ حجۃ الوداع میں کارل بروکلمان نے اپنی تصنیف تاریخ الشعوب الاسلامیہ میں "مذہب ظاہری" کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ظاہریت کی نشوونما، اسماعیلیوں کے باطنی فرقہ اور صوفیوں کے فاسد خیالات اور مقابلہ میں کی گئی لیکن پروفیسر عباس محمود عقاد نے ظاہریت کے وجود میں آنے کے اسباب پر مدلل بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

> "ظاہری مذہب فکری ناحیہ سے باطنیت کا مقابلہ کرنے اور امام مستتر (مخفی امام) کی ضرورت کا انکار کرنے کے لئے پیدا ہوا جب کہ باطنیہ فرقہ ظاہریت کے تقریباً بیس سال بعد وجود میں آیا۔

اسی لئے یہ کہنا غلط ہے کہ مذہب ظاہریت کسی فرقہ کے
مقابلہ کے لئے وجود میں آیا تھا۔"

ابن حزم نے اپنی کسی تصنیف میں باطنیہ مذہب سے تعارض نہیں کیا اور نہ ہی اس کے خلاف استدلال کیا ہے۔ اندلس میں فقہا نے مالکی مذہب کو عام طور پھیلایا اور آپس کی بعض رنجشوں کی وجہ سے شافعی اور حنفی مسلک کو بھی رد کیا۔ ابن حزم جس طبقہ علماء سے تعلق رکھتے تھے اس نے فقہی تحقیق و بحث کی بنیاد حدیث رکھی اسی مکتبہ فکر کے اساتذہ میں امام بقی بن مخلد، قاسم بن اصبغ قرطبی، احمد بن خالد اور محمد بن ایمن مشہور ہوئے۔ ابن حزم کے حزمی مذہب کو اندلس میں مقبولیت حاصل نہ ہوسکی تاہم اُن کے مجتہدانہ نظریات صدیوں تک موضوع بحث بنے رہے کیونکہ ان کے سوچنے کا انداز اور طریق استدلال عوام اور خواص سے مختلف تھا۔ اس لئے قبول عام حاصل نہ ہوسکا۔

وہ ایک روشن خیال مفکر کی حیثیت سے مسائل پر غور وخوض کرکے نتائج کے استنباط میں انتہاپسندانہ رویہ اختیار کرتے تھے۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت میں شخصی کمزوریاں بھی تھیں لیکن جرأت خداداد اور ندرت فکر نے ان کے غیر معمولی رجحانات کو پنپنے کا موقع دیا۔ اس لئے انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس میں ایک نیا رخ پیدا کردیا۔ بحیثیت فقیہ کے انھوں نے باریک سے باریک نکتہ کو بیان کیا۔ بحیثیت مؤرخ انھوں نے انساب پر اس قدر اہم معلومات جمع کردیں کہ ان کے بعد دوسرے مؤرخین نے ان توضیحات کو من وعن تسلیم کرلیا۔ تاریخ نگاری میں تنقیدی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا۔ اقتصادی و معاشی فکر کو اس زمانہ میں پیش کیا جب کہ عام طور پر مؤرخین ان مسائل کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح ایسے موضوعات پر جامع تصنیفات کیں جن پر ان کے معاصرین نے قلم نہیں اٹھایا

تھا، انھوں نے مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا اور نصرانی، یہودی مذاہب کے نظریات اناجیل اربعہ کے بارے میں جس قدر تحقیق سے کتاب لکھی، اس کو تمام مصنفین نے تسلیم کیا ہے۔ ابن خلدون جیسا مؤرخ ابن حزم کے "جمہرۃ الانساب" میں بربر قبائل کے نسب کو مستند مان کر اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں۔ العبر میں بلا تامل لکھا ہے کہ "میرے نزدیک صحیح رائے ابن حزم کی ہے۔" ابن حزم کی علمی فوقیت کا اعتراف متقدم مؤرخین نے کیا ہے۔ اسی طرح متاخرین مفکرین نے بھی۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے ابن حزم کے رسالہ "نقطۃ العروس فی تواریخ الخلفاء" کو ایڈٹ کیا ہے۔ اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حافظ ابن حزم نے تاریخ میں منفرد وغیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ابن حزم کے رسائل کو ڈاکٹر احسان عباس نے ایڈٹ کیا ہے، اس کا نام "جوامع السیرۃ و رسائل اخریٰ" ہے۔ ڈاکٹر عباس نے لکھا ہے کہ ابن حزم تاریخ میں ایک مستقل علیحدہ مذہب رکھتے ہیں اور یہ کہ موصوف ایک انصاف پسند پاکیزہ مؤرخ کے اوصاف سے بہرہ ور ہیں۔ ابن حزم کی معرکۃ الآرا تصنیف "جمہرۃ انساب العرب" پر تحقیقی حاشیہ آرائی کر کے ڈاکٹر عبدالسلام ہارون نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم خلیفہ، شیخ محمد ابوزہرہ اور ڈاکٹر زکریا ابراہیم نے ابن حزم کی تاریخ نگاری پر تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے ابن حزم کے تاریخی کارناموں کا مفصل جائزہ لیتے ہوئے چار اہم نکات بیان کیے ہیں:

۱۔ ابن حزم تعلیمی مقاصد کے لئے اسلامی تاریخ بیان کرتے ہیں۔
۲۔ شکوک و شبہات کے دائرے سے اسلامی تاریخ کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔
۳۔ وہ تاریخ کو کبھی مفصل اور کبھی مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔
۴۔ ابن حزم نے متعدد واقعات کو اپنی تاریخی تصنیفات میں دہرایا ہے،

اس لئے ضروری ہے کہ "جوامع السیرۃ" "جمل التاریخ" نیز جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق "کتاب الفصل" میں درج کی ہیں اور آپؐ کے حسب و نسب کے بارے میں جو تحقیقی معلومات "جمہرۃ الانساب" میں لکھی ہیں ان سب تحریروں کو ترتیب کے ساتھ مرتب کیا جائے تو "تاریخ عصر نبوتؐ" مکمل ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر عویس کے مطابق ابن حزم کی تاریخی تصانیف کی ترتیب و انتخاب کر لیا جائے تو ساڑھے چار سو سال کی تاریخ تیار ہوسکتی ہے۔

ابن حزم نے سیرۃ نبویہ پر جو کچھ لکھا ہے اس میں دشمنان سیرت نے جو اعتراضات کیے تھے ان کا مدلل جواب دیا ہے۔ اس طرح ان کی تاریخ نگاری مناظرانہ اور مدافعانہ بھی ہوگئی ہے۔ وہ تاریخ میں ایسے اچھوتے عنوان قائم کرتے ہیں جن کے جواب میں سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اپنے مخصوص استدلالی طرز تحریر سے مثبت اور جامع جواب لکھتے ہیں۔ مثلاً "نقطۃ العروس فی تواریخ الخلفاء" میں ایک عنوان قائم کیا ہے:

"کون سے لوگ کسی خلیفہ کی وصیت کی بنا پر حکمراں ہوئے اور کون سے لوگ شورائی نظام کے تحت حکمراں ہوئے؟"

اس عنوان کے تحت انھوں نے وصیت اور شورائی نظام کے اصول کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے تاریخی شواہد سے گفتگو کی ہے۔ ان کا یہ انداز عالمانہ ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن ان کی ذہنی اپج کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور قاری کی موضوع سے دلچسپی گہری کر دیتا ہے۔ ان کی تصنیف "جمل فتوح الاسلام

بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مختصر ہونے کے باوجود ابن حزم کے دور یعنی گیارہویں صدی عیسوی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان کا ایک اور رسالہ اسماء الخلفاء والولاۃ" ایک جامع فہرست کی شکل میں ملتا ہے جس میں قدرے سماجی سیاسی حالات بھی سامنے آگئے ہیں۔ اندلس کی تاریخ "فضائل اندلس واھلہا" کے عنوان سے لکھی۔ ڈاکٹر عولیس نے وجہ تصنیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ "ابن الربیب حسن بن محمد قیروانی" نے ابن حزم کے چچیرے بھائی "ابوالمغیرۃ عبدالوہاب" کے پاس ایک رسالہ بھیجا جس میں کاتب رسالہ نے اہل اندلس پر یہ عیب لگایا کہ وہ لوگ اپنے علماء اور ان کے فضائل و مآثر کو محفوظ کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں۔ ابن حزم نے اہل اندلس کی فضیلت کے لئے اساسی و بنیادی فکر کو وسیلہ بنا کر یہ رسالہ لکھا ہے جس میں اندلس کی تاریخ، تہذیب و تمدن کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کو علمائے اندلس نے مستند مانا ہے۔ ابن حیّان اور ابن بسّام نے ابن حزم کی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں اس کے حوالے دیئے ہیں۔

ابن حزم کا سب سے اہم کارنامہ ادیان کا تقابلی مطالعہ ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی نے سیر حاصل گفتگو نہیں کی۔ یہ ایسا نازک موضوع ہے جس میں "مذاہب" کا صحیح نقطہ نظر دیانتداری و غیرجانبداری کے ساتھ پیش کرنا جس میں حقائق سے چشم پوشی نہ ہو اور خالص علمی انداز سے محاسن و معائب، اتفاق و اختلاف، ہر پہلو کو سامنے رکھ کر قلم اٹھانا آسان کام نہ تھا۔ ابتدائی دور میں اس موضوع پر ابومحمد نوبختی (م ۲۰۲ھ) کی کتاب "الآراء والدیانات" اور اس کے بعد المسیحی (متوفی ۳۰۰ھ) کی کتاب "درک البغیہ فی وصف الادیان والعبادات" اور ابومنصور بغدادی (م ۴۲۹ھ) کی کتاب "الملل والنحل"

پائی جاتی ہیں لیکن ابن حزم نے اس موضوع پر جس تحقیق اور چھان بین کے بعد قلم اٹھایا ہے اور مختلف نقطۂ نظر کو سامنے رکھا ہے اس کی تعریف میں ڈاکٹر محمد ابراہیم لکھتا ہے کہ:

"کتاب کے موضوعات کی تحدید و تعیین اور طریقۂ تبویب، استنباط، تفکیر میں نظم، وسعت معلومات اور تمام نظریات کو سمیٹنے میں سبقت لے جانے کی فضیلت ابن حزم ہی کو حاصل ہے۔"

علامہ ضبی اور حافظ حمیدی نے اس کتاب کو ابن حزم کی سب سے افضل علمی خدمت کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابن حزم کی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" کے بارے میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس طرح کی چیز لکھنے میں کسی نے بھی حافظ ابن حزم سے پہل اور سبقت نہیں کی۔ یہ کتاب ان کی عالمی شہرت کا باعث بنی۔ اسپین کے مستشرق میخل آسین نے کتاب الفصل کا ترجمہ اسپینی میں کیا اور تین سو چوالیس صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ شامل کر کے پانچ ضخیم جلدوں میں تاریخی اکیڈمی مڈرید سے ۱۹۲۸ء میں شائع کیا ہے۔ اپنے گرانقدر مقدمہ میں افکار دینیہ کی تاریخ میں ابن حزم کے مقام و فضل پر گفتگو کی اور اس میدان میں موصوف کی سبقت تسلیم کی اور دوسرے سبقت کرنے والوں کے بالمقابل موصوف کے تنقیدی علمی طریقہ کا امتیاز ظاہر کیا جس سے یورپ کے مؤرخین مذاہب بیسویں صدی میں آشنا ہوئے۔ مشہور مستشرق بلنشیا لکھتا ہے:

"تاریخ کے مضمون پر ابن حزم کی لکھی ہوئی مشہور اور زیادہ قیمتی کتاب "کتاب الفصل" ہے۔ یہ کتاب مختلف

مذاہب اور فرقوں کی مفصل تاریخی تنقید ہے ۔ اس کتاب کے مضمون وافکار میں دین کے موضوع پر انسانی ذہن کے متفرق مذاہب سے تعرض کیا گیا ہے سوفسطائیوں کے اختیار کردہ الحاد مطلق سے اس میں بحث شروع ہو کر ان عوام کے ایمان پر بات ختم ہوئی ہے جو ہر چیز کی تصدیق کرتے اور جہالت کی وجہ سے تمام خرافات پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی چیز پر کوئی شک نہیں کرتے۔ اس کے نتیجہ میں ابن حزم کی یہ کتاب اسلام کے علم کلام کی تاریخ بن گئی اور ساتھ ہی اس کتاب میں فضائل اسلام کو بیان کرنے کا واضح رخ موجود ہے ۔

ڈاکٹر فلپ کے حتی نے کتاب الفصل کے بارے میں لکھا ہے :

"ابن حزم کی باقی رہ جانے والی سب سے زیادہ نفیس ومفید کتاب اس وقت "الفصل فی الملل والاہوا والنحل" ہے جس کے مؤلف ان علماء کے درمیان مقام اولیت دیئے جانے کے مستحق ہیں جنھوں نے تقابلی اور تنقیدی طریقہ مذاہب کے مطالعہ کی طرف دھیان دیا۔ اس کتاب میں توراۃ کے بیان کردہ قصوں کے بعض ایسے مشکل مقامات پر بحثیں کی ہیں جن کی فکر علماء میں سے کسی کو نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی کا وہ زمانہ آگیا جس میں توراۃ پر علمی و تنقیدی مکتبۂ فکر کا ظہور ہوا ۔"

یورپ کے ممتاز مستشرقین نے اس کتاب کو عالمی حیثیت کا شاہکار بتایا۔ کیونکہ ان کے مذاہب کے بارے میں بالخصوص "تورات وانجیل" کے ایسے گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے یہودی اور عیسائی علماء بھی واقف نہ تھے اور اکثر چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ پروفیسر بروکلمان نے یہاں تک لکھا ہے کہ یہ کتاب عظیم تاریخی و دینی کتاب ہے۔ عالمی ادب میں ایسی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔

الفرڈ گیوم کی رائے بھی وقیع ہے انھوں نے لکھا ہے:

"ابن حزم قرطبی جیسے مسلسل بحث کرنے والے محقق اپنی ساری قوتیں لگا کر سب سے پہلی یورپی اور دینی انسائیکلوپیڈیا کی تصنیف کر سکے اور عہد قدیم وجدید (توراۃ و انجیل) کے متعلق سب سے پہلی تحقیق بلند درجہ کے مربوط تنقیدی معیار پر لکھ سکے۔"

اس میں شک نہیں کہ ابن حزم ایک بالغ نظر مفکر تھے اور انھوں نے اپنا مطمح نظر تحقیق وتنقید کو بنایا۔ اگرچہ ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا جاتا رہا ہے اور فقہاء کی ایک جماعت نے ان کی کتابوں کو نذر آتش کرایا لیکن علماء اسلام اور مستشرقین دونوں نے ان کی علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ابن حزم کے صاحبزادے فضل بن حزم ابو رافع نے ان تمام تصنیفات کتب ورسائل کی تعداد چار سو بتائی ہے لیکن ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے تحقیق کے بعد ان کے جملہ دریافت شدہ رسائل کی تعداد ۳۵ لکھی ہے جن میں زیادہ تر شائع ہو چکے ہیں۔ ابن حزم کے گمشدہ رسائل و کتب کے نام اور موضوعات پر ڈاکٹر موصوف نے تحقیق کی ہے جن کی تعداد ۸۹ ہے۔

اس طرح کل ۱۴۲ رسائل وکتب کی نشان دہی آج تک کی جا سکی ہے۔ یوں تو ابن حزم کی ہر کتاب تعارف کی مستحق ہے لیکن اس مختصر مضمون میں اس کی عالمی شہرت کی ایک اور کتاب "طوق الحمامہ" کا ذکر ضروری ہے جس کے تراجم یورپ کی تمام علمی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ اگرچہ اس کا موضوع حب المروہ یا بلفظ دیگر رومی محبت ہے لیکن اس میں جامع طور پر "عورت" کی عزت و توقیر، سماج میں اس کی حیثیت، اس کے حسن و جمال، اس کی حسن سیرت اور کردار سازی کے متعلق ایسے اصول بیان کیے ہیں جن سے عورت کو محض مجسمہ حسن و زینت نہیں بلکہ انسانی برادری کے معمار کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ یورپ میں اس نظریہ کو بہت اہمیت دی گئی اگرچہ اس کا انداز بیان رومانوی ہے۔ مستشرقین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ راجر بیکن اور دانتے نے بھی ابن حزم کے ہی نظریات سے استفادہ کیا ہے۔

ابن حزم اسپین کے ان ممتاز دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں جن کی تصنیفات نے یورپ کی علمی دنیا کو متاثر کیا۔ اس کے اعتراف میں ۱۹۶۳ء میں ان کے وطن میں ان کی یادگار قائم کی گئی ہے۔ اور پورے اسپین میں ۱۲ مئی ۱۹۶۲ء کو ہفتہ ابن حزم منایا گیا۔ ان کے مجسمہ کی تنصیب کی گئی اور خود صدر فرینکو نے مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ "منت بشم" کی اجڑی ہوئی آبادی میں اس کے آبائی قلعہ میں اس کی یاد کے ترانے گائے گئے۔